Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Year 2024; Vol 03 (Issue 01)
PP. 66-77 https://journals.gscwu.edu.pk/

ڈاکٹر محمد عمران ازفر

شعبہ اردو زبان وادب، یونیورسٹی آف سرگودھا

Dr. Muhammad Imran Azfar

Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha

مہابیانیہ، چند مغالطوں کا کھیل

Meta Narrative (The play of some illusions)

Abstract:

Metanarrative in the field of literature & Poetry is rational scheme of ideas. Something identified that circles least some of its major issues who live within a Postmodern angel of thinking. Meta Narrative Ideas are coin by the point of human reason, laid by agreed-upon fundamental principles, can discusses the primary resources at their disposal, the scientific system of understanding of this particular way of Discourse. If we try to explain what is Meta Narrative so than we may ask that A narrative express experiment or experience with the unique idea of storytelling, that may offer attention to its own ability of storytelling, this also frame metanarrative. It's an overarching interpretation of programmes & events in a particular schedule pattern. In turn, it is expected that others, using the same interpretive principles, may take varying positions, and that the scholars in the various schools of thought will use agreed upon principles and conventions to debate with one another, with the hope of finding a resolution. While the goal of study in the humanities was at one time discovery of the "truth," metanarrative. In this article while using Qualitative Research Methodology we tries to explain how Meta Narrative have socially bounded with capitalism and in American, Eastern societies it's other opinion should be considered by the creator and critic of time.

Key words: Meta Narrative, Socio-political Theory, Theology, Capitalism, Eastern Cultural discourse, Idealism

وکی پیڈیا، انسائیکلوپیڈیا مہابیانیہ کے لفظی معنی کے باب میں لکھتا ہے کہ لفظ میٹا یونانی الاصل ہے جس کے معنی دسترس سے باہر، اس پار، دور، گرفت سے آگے وغیرہ کے ہیں۔ معنی کے اس ڈسکورس کو ویب گاہ نے کچھ یوں بیان کیا ہے۔

> "Meta" is Greek for "beyond"; "narrative" is a story that is characterized by its telling (it is communicated somehow)". (1)

یعنی یونانی لفظ "میٹا" کے لغوی معنی دسترس یا گرفت سے باہر جبکہ بیانیہ ایسا قصہ، کہانی، فسانہ یا روایت ہے جو اپنے بیانیہ کی خوبیوں سے بھرا ہوتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے مہا بیانیہ گرفت سے آگے کی کہانی کا بیانیہ ہے۔ جو اہنی معنوی فکری تنظیم پر بنیاد کرتا ہے۔ وہاب اشرفی کے مطابق "ہیبر ماس تو فوکو اور لیوتار دونوں کو ہی Young Conservative کہتا ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ مابعد جدیدیت کی تمام تر خارجی اور داخلی لہریں انسانی نجات یا آزادی کی ذیل میں آتی ہیں۔ جن کی ہم نوائی میں لیوتار پیش پیش رہا ہے۔ لیوتار ورسیلس میں پیدا ہوا تھا۔ بنیادی طور پر یہ فلسفے کا طالب علم تھا لہذا اس نے 1949ء میں سوربون (Sorbonne) یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کے امتحانات پاس کیے"(2)

وہاب اشرفی کی ان باتوں سے مندرجہ ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں کہ کیا مابعد جدیدیت یا رومانیت سمیت دیگر فکری دوائر انسان کی نجات کا اہم وسیلہ ہیں یا اس کی فکری اور وجودی آزادی سے متصادم ہیں؟

کیا ہیبر ماس کی بیان کردہ علمی کسوٹی ہی فوکو اور لیوتار کا علم جانچنے کی میزان ہے یا اسے کسی دوسرے اہم وسیلے سے بھی پہچانا جا سکتا ہے؟

لیوتار اپنی علمی تقدیم کے باب میں براہِ راست فلسفے کا طالب علم ہے تو اس کا ادب سے رشتہ کس نہاد پر قائم ہے؟

اس کے علاوہ یہ پہلو بھی نہایت اہم ہے کہ مغربی فکر پر استوار جدید، مابعد جدید اور مہا جدید فلسفیانہ، سیاسی، علمی اور ادبی نظریات کی مبادیات کا اطلاق مشرقی معاشروں میں کن اصولوں پر ہو گا؟

جدید مغربی مفکر اور نظریہ ساز فلسفی لیوتار کے ساتھ مابعد جدید نظریات میں ایک سے زیادہ فکری مبادیات کو باہم جوڑ کر اور ایک دوسرے کے ساتھ ہم آمیز و ہم انگیز کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ مابعد جدید فکریات کے پیش کار فرانسیسی فلسفی اور مرکز گریز علمیاتی ڈسکورس کے بنیاد گذار مشعل فوکو کو محض مابعد جدید مصنف کہنا درست نہیں۔ مشعل فوکو جدیدیت کے مباحث کو زیر بحث لاتے

ہوئے ان فلسفیانہ ادبی خیالات سے ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا مابعد جدیدیت کے فکری اور نظریاتی ڈسکورس میں شامل ہوتا ہے اور طاقت کے مرکزے کی اجارہ داری کو کمزور کرنے کی از حد کوشش کرتا ہے کہ اس کے نزدیک مرکز کسی بھی شئے کی طاقت کا جوہر / مرکزہ ہے جو خیالات، تصورات، فنون اور ذہنی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔یوں گویا مرکز پرست فکر / شئے / اشیاء / حوادث اشیاء کی تفہیم و تشکیل کے حوالے سے بیرونی اثرات کی نشاندہی کرتی ہے جسے آزاد فکری خیال کی ذیل میں اثر ورسوخ یافتہ فکر کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔مابعد جدیدیت کے مباحث کے مرکزی جوہر کو عمران شاہد بھنڈر کچھ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"مابعد جدیدیت کے اب تک کے تجزیے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بیسویں صدی کے ساتویں عشرے میں مغربی جامعات کے فرانسیسی پروفیسروں کے ایک گروہ نے سرکاری چندوں کا حق ادا کرتے ہوئے مابعد جدیدیت کو سیاسی ایجنڈے کے طور پر پیش کیا، جسے بلآخر امریکی درسگاہوں میں پزیرائی ملی اور مابعد جدیدیت کو مستقبل کے لائحہ عمل کے لیے کارآمد سمجھتے ہوئے امریکی دانشوروں کو لبرل جمہوریت، انسان پرستی اور سیکولرازم کے لبادے میں انسانیت سے منسلک اقدار کی پامالی کے فلسفے کو اعلیٰ انسانی اقدار کے نام پر نئی نسل کے اذہان میں راسخ کرنے کا ذمہ سونپ دیا گیا"(3)

عمران شاہد بھنڈر کے تجزیاتی جوہر پر رائے دینے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارا مقالہ اپنی تسوید میں تین مراحل پر مشتمل ہے۔پہلا سوال مابعد جدیدیت سے متعلق مہابیانیہ کی تعریف کے تعین اور حدود و امکانات کی عقلی یافت سے متعلق ہے۔دوسرے مرحلے پر لیوتار کے احوال و آثار پر مختصر تبصرہ کرتے ہوئے،اس کی خصوصی فکر مہابیانیہ کے تناظر کے ساتھ پیش کی گئی ہے جبکہ تیسرے مرحلے پر مہابیانیہ کے فکری تار و پود میں سرمایہ دارانہ عناصر کی تشخیص سے ان مغالطوں کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی جو مثالیت پرستی اور مثالی جمہوریہ کی مساوی تجسیم پر سوالات کے قیام سے سرمایہ دارانہ نظام حیات کی پیچیدگی میں مضمر مخصوص گروہی مفادات کا تحفظ چاہتے ہیں اور ان فلسفیانہ نکات کا مشرقی معاشروں سے کسی نوعیت کا تعلق پیدا ہو سکتا ہے، ہو چکا ہے، یہ تعلق داری استوار ہونی چاہیے یا اس کی کوئی ضرورت نہیں۔اس سلسلے میں بالترتیب کڈن کی ادبی تراکیب پر مشتمل کتاب کے علاوہ نمائندہ انگریزی اردو لغات سے بیانیہ، مہابیانیہ کے معنی و مفہوم کی تخریج کی جارہی ہے۔دوسرے مرحلے پر فلسفیانہ تاریخی روایت کے مختصر تجزیاتی جائزے کے ساتھ لیوتار کے فلسفیانہ مباحث کا احاطہ کیا جائے گا اور پھر اس کی خاص فلسفیانہ، فکری پیشکش مہابیانیہ کے مخصوص معنی و مطالب کی تشریح و تعبیر کے ساتھ ادبی تجربے پر اس کی اثرانگیزی کے امکانات کی یافت کی جائے گی جبکہ آخری

مرحلہ پر مشرقی تہذیبی ڈسکورس میں مہابیانیہ کی ساخت کے پس منظر، اس کے طبعیاتی اور مابعد الطبیعیاتی وجود کی ساخت بارے عقلی اور عقائدی امکانات کے نشانات کے باہمی تعاملات سے ذہن وادراک کی ان پیچیدگیوں کی نشاندہی کے لیے بنیادی کتب سے استفادے کی سعی کی جائے گی۔ جو دو صدیوں سے زیادہ عرصہ پر پھیلی تاریخ میں سرمائے اور مثالیت کے بیچ پیکار مباحث کے تجزیاتی ڈسکورس پر مشتمل ہیں۔ جن کے اثرات سے انسانی زندگی بالخصوص مشرقی معاشروں میں بستے متوسط طبقے کی سماجی مبادیات پر کئی طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں جن سے اس کی حیات کے مجموعی ساختے کو کئی طرح کے داخلی اور خارجی، انفرادی اور اجتماعی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ڈاکٹر اقبال آفاقی مہابیانیہ کی فکری و نظریاتی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:- "لیوتار اس کو گرینڈ نیریٹیو بھی کہتے ہیں اور میٹانیریٹیو اور گرینڈ نیریٹیو دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتا ہے۔اس سے مراد کوئی بھی آفاقی تھیوری ہے جو کائنات کی تشریح کی دعویٰ دار ہو سکتی ہے اور خود کو کائناتی مثال پر مستند تصور کرتی ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ مارکس ازم ہے۔لیوتار فیصلہ کن انداز میں مہابیانیوں کی مخالفت کرتا ہے۔ان کو. جابرانہ اور جابرانہ نظریے قرار دیتا ہے جو انسان / فرد کی آزادی کو محدود کرتے ہیں"(4)

اپنی آخری سطور میں ڈاکٹر اقبال آفاقی "جابرانہ اور جابرانہ نظریے" کو شاید "جانبدارانہ اور جابرانہ نظریے" لکھنا چاہ رہے ہونگے جو مشینی کتابت کے سبب سے یوں لکھا گیا ہو گا۔مہابیانیہ کی حدود کو ان نکات کی روشنی میں دیکھا جائے تو مہابیانیہ ایسی آفاقی تھیوری / نظریہ ہے جو مستند ہے اور اپنی اساس میں کائنات کی تشریح کا دعویٰ دار ہوتا ہے۔ جس کی مثال مارکسی نظریات ہیں جو عالمی منظرنامے میں اپنی مخصوص پہچان رکھتے ہیں اور جن کا سماج سے ربطِ بہم اور تعلق مہابہانیہ "جانب دارانہ اور جابرانہ نظریے" کی تردید کرتی ہے کیونکہ اس کے مطابق یہ مہابیانیے انسان کی انفرادی آزادی پر اثر انداز ہو کر اس کے فکری اور جمالیاتی امکانات کو محدود کرتے ہیں۔ گویا انسان کا اجتماعی سماجی ساختہ مہابیانیہ کے لیے قابل قبول نہیں خواہ وہ باہمی افکار کی ہم آہنگی پر منحصر ہو یا جس کے توسل سے انسانی گروہ کچھ خاص اصول وضوابط کو منضبط کر کے عملی زندگی کا حصہ بنانے کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ مابعد جدیدیت اور مہابیانیہ کے بارے میں یہ رائے بنتی ہے کہ یہ اشیاء افکار نظریات مثالیت پرستی عقائد اساطیر کی داخلی یا خارجی ساخت میں موجود شگاف / کمزوری اور نظریاتی، فنی فکری اور ثقافتی ساختے کی نشاندہی کرتا ہے جیسے مہابیانیہ کے خیال میں کائنات کو محض نئی اور مکمل ترین اشیاء و نظریات کی ضرورت یا قبولیت کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ بذات خود انسانی فکر اور مزاج سے متصادم ہیں۔

مہابیانیہ کے حوالے سے انسائیکلوپیڈیا نیو ورلڈ کہتا ہے کہ:-

> "Metanarrative or grand narrative or mater narrative is a term developed by Jean-François Lyotard to mean a theory that tries to give a totalizing, comprehensive account to various historical events, experiences, and social, cultural phenomena based upon the appeal to universal truth or universal values. In this context, the narrative is a story that functions to legitimize power, authority, and social customs. A grand narrative or metanarrative is one that claims to explain various events in history, gives meaning by connecting disperse events and phenomena by appealing to some kind of universal knowledge or schema. The term grand narratives can be applied to a wide range of thoughts which includes Marxism, religious doctrines, belief in progress, universal reason, and others"(5)

اس تعریف کے مطابق تاریخی تجزیے پر آفاقی سچائی اور آفاقی اقدار سے کیا مراد ہے؟ کیامارکس ازم اخلاقی اقدار کے انہدام پر بنیاد ہے؟ مشرقی معاشروں میں نموپذیر مذہبی سماج اپنی داخلی ساخت میں اخلاقی اقدار سے کلیتاً مبرا ہیں؟ لیوتار کے نزدیک مجموعی، اجمالی اور واضح تصورات سے کیامراد ہے جن کی اساس پر استوار مہابیانیہ محض تصویر کا ایک رخ ہے جس کے تحت یہ نظریہ اشیاء، احوال، عقائد، اقدار، مثالیت پرستی سمیت زندگی کے دیگر معاملات میں فکری اور عملی سطح پر راسخ کمی کوتاہی کو نشان زد کرتا ہے مگر تصویر کے دوسرے رخ سے عاری ہے۔ یہ فکری سانچہ اس مکمل ہر حوالے سے بہترین فکر یا مثالیت اور اخلاق و اقدار کو پیش کرنے سے قاصر ہے جس کا مطالبہ وہ اپنے تجزیات میں متفرق علمی اور عملی، داخلی اور خارجی تعاملات و تفاعلات سے کرتا ہے۔ مہابیانیہ کی تعریف کے باب میں لیوتار کے الفاظ کچھ یوں ہیں:-

> "Lyotard famously defines the postmodern as 'incredulity towards metanarratives,' where metanarratives are understood as totalising stories about history and the goals of the human race that ground and legitimise knowledges and cultural practises."(6)

لیوتار کی طرف سے پیش کردہ مہابیانیہ کا تصور محض مثالیت پسندی کی ایسی رد ہے جو سرمایہ دارانہ نظام سے متصادم ہو۔ جس کی طرف پہلے سے عمران شاہد بھنڈر کے شذرے سے توجہ دلائی جاچکی ہے۔ لیوتار اپنی فکریات میں مذہب سمیت ہر مثالیت پسندی کو مہابیانیہ قرار دیتا ہے یہ فکری ساختہ فکر وخیال کی پیشکش اور ان کی تکذیب کرتا ہے کہ اس کے مطابق چونکہ مہابیانیہ انسانی فکریات کی تشکیل میں اپنی انفرادی عصبیت اور مخصوص پس منظر کی وجہ سے دخل اندازی کرتا ہے اور یہ عمل، فکر سازی کے تعامل میں آزادی کی بجائے قید اور وسعت کی بجائے ایک طرح کی محدودیت کے اسباب فراہم کرتا ہے لہذا کسی بھی معاشرے میں موجود مہابیانیہ کو رد کر کے اس کی عقلی اور فکری تشکیل میں مہابیانیہ سے متصادم فضاء کو ہموار کرنا چاہیے اور یہ عمل کسی بھی رائے کی اپنی وقعت کو کم تر کرتا ہے۔ اپنے اس تصور میں لیوتار ایک طرف مہابیانیہ کو رد کرتا ہے تو دوسری طرف اپنی طے شدہ ذہنیت کے باعث عصبیت کے مرکز میں واقع توانائی کی بھی غلط تر تشریح کرتا ہے کیونکہ اس کا مطمع نظر آزاد عصبیت نہیں، بلکہ وہ سرمایہ داری کا حلیف، سامراج پروردہ اور حاکم نمائندہ، مقتدر اشرافیہ کے مقدمے کا پیش کار ہے اور ایسے ہی مغالطے میں دوسری اشیاء کو لپٹا ہوا دیکھ سکتا ہے۔

امریکہ میں بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے بعد سے مروج یا پروان چڑھتے افکار کا بنیادی جوہر مارکسسٹ افکار کی تکذیب یا ان کی تردید کی دلیلیں گھڑنا ہے کہ مارکسسٹ افکار ہی امریکی سرمایہ داری کے عفریت کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھی جسے اس نے ہزار فکری، سیاسی، ادبی اور فلسفیانہ چالبازیوں سے پسپا کرنے میں کامیابی حاصل کر لی جس میں خاص کردار روس کی ہزیمت میں جنوبی ایشیا اور خاص کر ہمارے سیاسی، عسکری مفادات بھی ایک کڑی کے طور پر استعمال ہوئے۔ اس تفاعل میں مقامی مارکس پرستوں اور دولت کے ارتکاز میں توازن پیدا کرنے کے خواہاں شعرا، مصنفین، صحافیوں اور سیاست دانوں کو بھی مشکل سے مشکل دن گزارنے پڑے تو دوسری طرف تقدیر، مشیت ایزدی، صبر، توکل، حلال حرام کے نتائج سے خوف دلانے والوں اور بابا ازم کے پیش کاروں کی خاص چاندی لگی۔

لیوتار کی فکریات کے حوالے سے اردو میں کئی طرح کی دعوی بنیاد آراء موجود ہیں جن کو تجزیاتی ڈسکورس میں شواہد سے عاری پایا جاتا ہے۔ وہاب اشرفی لیوتار کی فکریات کو آفاقی قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل تین نکات پر مشتمل قرار دیتے ہیں:-

"(1) لیوتار ایسے مستقبل کے خواب نہیں دیکھتا جس میں ترقی ایک یوٹوپیا کی کیفیت رکھے اور اسی یوٹوپیا میں ہر شخص لگا ہوا ہو چاہے وہ کسی بھی علاقے یا ملک سے تعلق رکھے، یعنی مستقبل کے ضمن میں سبھوں کی خواہش بلا خلل ایک طرح کی دنیا بسانا ہو۔

(2)لیوتار کے ہاں تکثیر کی بڑی اہمیت ہے، جس میں یکسانیت اور اکہرا اہن کثرتِ جلوہ سے معدوم ہو جاتا ہے اور ہر شئے کی اپنی اپنی جگہ چمک دمک باقی رہتی ہے۔

(3)لیوتار کے نقطہ ٔ نظر سے اختلافی نوعیتوں کی اہمیت فزوں تر ہو جاتی ہے نتیجے میں مقامیت اور علاقائیت اپنی عظمتوں اور بلندیوں سے رشتہ قائم کر لیتی ہے"(7)

وہاب اشرفی کے بیان کر دہ یہ تین نکات بذات خود ایک دوسرے سے متصادم اور اپنی ہی تعریفی حدود میں نامکمل ہیں۔پہلے مرحلے میں وہاب اشرفی کے مطابق لیوتار ایسے مستقبل کے خواب نہیں دیکھتا جو یوٹوپیا کی کیفیت پیدا کریں اور اس دعوی میں خود ایک مکمل یوٹوپیا موجود ہے جو اپنی بنیادی فکری شناخت کو مسخ کرنے کا پیش خیمہ ہے۔دوسری بات پہلے نکتے میں یہ ہے کہ لیوتار پوری انسانیت کے لیے ایک جیسی دنیا بسانا چاہتا ہے یعنی لیوتار مذہب، اخلاقیات، اقدار، رسمیات کے ثقافتی اور علاقائی پہلوؤں کو ایک مقام پر باہم متصل کرنے کا خواہاں ہے۔جبکہ تیسرے نکتے میں وہاب اشرفی لکھتے ہیں کہ لیوتار اختلافی نوعیتوں کی اہمیت فزوں تر کرنے کے نتیجے کے حاصل میں مقامیت اور علاقائیت کو اس کی عظمتوں اور بلندیوں سے رشتہ قائم کرنے کا خواہاں ہے مگر وہ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ پوری دنیا کے انسان کس یکساں بیانیہ پر باہم آمیز ہو کر مرکز میں یکساں ہوتے ہوئے علاقائی سطح پر بھی یکساں ہونگے۔دوسرے مقام پر وہاب اشرفی لیوتار کے بارے میں اپنی ہی کہی باتوں کو رد کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔نہیں معلوم یہ ترجمہ کاری کے سبب سے ہے۔

مصنف کے تفہیمی عمل سے وابستہ ہے یا باہم تضادات کی یہ فضاء خود لیوتار کے ہاں بکثرت موجود ہے جس کی تفہیم میں اردو ادب سے وابستہ ناقدین کی عجلت مانع ثابت ہوتی ہے۔وہاب اشرفی کہتے ہیں کہ لیوتار کے ہاں تکثیر کی بڑی اہمیت ہے، جس میں یکسانیت اور اکہرا پن کثرتِ جلوہ سے معدوم ہو جاتا ہے اور ہر شئے کی اپنی اپنی جگہ چمک دمک باقی رہتی ہے۔اب کیا کہیں کہ کسی جگہ پر لیوتار یکساں ماحول کا خواہاں ہے اور وہیں وہ تکثیر کی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔کثرت خواہ افکار میں ہو یا عملی تفاعل میں اپنی بنیاد میں یکسانی کے جوہر سے متصادم ہوتی ہے جبکہ اردو کے ناقدین نے محض ترجمہ برائے ترجمہ کے عمل سے گزرتے ہوئے گذشتہ چار دہائیوں میں اردو کی تخلیقی جدلیات کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ خود تنقیدی ڈسکورس کو بھی پارا پارا کر دیا ہے۔

دراصل مہابیانیہ ہی کسی فرد، معاشرے، گروہ، عقیدے، اخلاق، اسطورہ، مذہب، دین گویا ہر طرح کی مثالیت پرستی کی صورت میں عصبیت کے جوہر پر بنیاد ہوتا ہے جو کسی بھی نوعیت کی فکریات کی تشکیل و تسوید میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے کہ اس کا تعلق محض

فرد کے انتخاب پر ہی نہیں بلکہ یہ سماجی پیچیدگی سے دوچار معاشرتی علتوں سے حاصل وہ ثمر ہے جس کی تیاری میں لامحدود ذرائع اور انداز تفکر کارفرما ہوتے ہیں۔ عصبیت کے اسی دائروی چکر میں لیوتار نے مہابیانیہ کو ایک خاص طرز پر الٹا گھما دیا اور اسے سیاسی جدلیات کا جزو لازم بنانے کی کوشش کی، جو اپنی اساس میں ہی تضاد پر مبنی ہے۔ جدیدیت اپنی فکریاتی اساس میں زیاسی تحریک پے جس کے عملی مظاہرے روس، جاپان، کوریا، چائنہ وغیرہ سمیت کئی ممالک اور خطوں میں دیکھے جاسکتے ہیں اس کے برعکس مابعد جدیدیت غیر سیاسی اور سرمایہ داری کے لیے چھتر چھایا کا کام دینے والا فکری ڈسکورس ہے جس کی نہاد میں موجود اصول ہی خود اس فکر کی تردید کرتے ہیں۔ جو کم از کم ہمارے سماج تک فی الوقت اپنی اصلی حالت میں نہیں آسکے۔ یاد رہے عصبیت اور تعصب دو مختلف النوع فکری تعاملات ہیں جن کے مابین تفریق و تمیز کی روایت کم از کم اردو میں نہایت کمزور ہے۔ مہابیانیہ کی تائید اور مہابیانیہ کی تردید یعنی کلاسیکیت سے سفر کرتے جدیدیت تک آئے انسان کی طرف سے بیانیہ اور مہابیانیہ کے فکری مظاہر خود ایک عصبیت پر دال ہیں جبکہ ان کے رد میں لیوتار کی مہابیانیہ شکنی کی خواہش اپنی سطح پر الگ عصبیت ہے جس کی اساس سے اگر لیوتار واقف بھی ہیں تو اس کے وجود سے انکاری ہیں۔

لیوتار سمیت تمام مابعد جدیدیت پرست مفکرین جدیدیت کی رد جس بنیاد پر کرتے ہیں بعین اسی بنیاد پر ان کی اپنی فکریاتی ڈسکورس قائم ہوتی ہے (سادہ ترین معنوں میں یہ ہر طرح کے نظریہ کے وجود سے انکاری ہیں اور اس کے لیے خود نظریہ سازی کا سہارا لیتے ہیں) مگر چونکہ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے درمیان مرکزی تصادم فکریاتی ڈھانچے کی نسبت سے سیاسی نوعیت کا زیادہ ہے یہی سبب ہے کہ جدیدیت کے مباحث فرد کے مسائل کو بطور اکائی اور براہ راست اپنی گرفت میں لاتے ہیں، کیونکہ ان کے سامنے انسان کی بطور انسان بے توقیری کے بہت سے نشانات معاصر سیاسی سماجی صورت حال میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدیدیت کے پیش کار مفکرین اپنی فکری ترکیب میں اجتماع کی نفسیات کی تردید کرتے ہیں اور فرد کی اہمیت پر زور دیتے ہیں, جبکہ مابعد جدیدیت پرست مفکر اپنی فکریات میں فرد کی جگہ اجتماع کی صورت ریاست اور مقتدر اشرافیہ کی نمائندگی کرتے ہیں (گو آپ اردو کے مترجمین سے مابعد جدید مفکرین بارے اس رائے پر اتفاق کی کوئی صورت نہیں نکال سکتے کہ اس اتفاق سے خود ان کے تمام تر دعویٰ جات بے معنی ہو سکتے ہیں)۔

لیوتار کا انسانی فکر کو ہر طرح کے مہابیانیہ کے تصور سے آزاد کرانے کی خواہش یا عمل ایسا سادہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے عالمی منڈی اور اس منڈی میں گرتی چڑھتی پروڈکٹ کے قابضین کی خواہشات کا بہت بڑا دخل ہے، جس کو ابتدائی سطح پر اس شذرے میں بیان کیا

گیا ہے کہ این جی اوز اور سرپلس آمدن کی بیساکھی پر کھڑی سرمایہ دارانہ نفسیات کو لیوتار کے ان مفروضات سے مکمل بنا کر پیش کرنے کا خواہاں ہی نہیں بلکہ مغربی سرمایہ دارانہ اکائیوں کی پشت پناہی سے سرمایہ داری کو مارکس ازم اسلام سمیت ہر طرح کے مثالیت پرست اقداری ڈسکورس سے منقطع کرنا چاہتا ہے جس کی گنجائش خدا کے سماجی تعاملات کی تردید پر استوار مغربی معاشروں میں تو ممکن ہو سکتا ہے لیکن مابعد الطبیعیاتی ایقان سے بھرے مشرقی سماج میں اس کا ورود مشکل اور پیچیدہ بلکہ توڑ پھوڑ اور انتشار کا عمل ہے۔ لیوتار کی طرف سے مہابیانیہ شکنی کے خیال کے مطابق، اسی صورت کوئی بھی معاشرہ یا تہذیبی ثقافتی عمل حقیقی معنوں میں شعور یافتہ اور برتر سطح پر فائز ہونے کی کوششوں میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے جب وہ ہر طرح کے مہابیانیہ سے منہ موڑ لیں اور آزاد روی سے منڈی کے نفسیات سے خود کو ہم آہنگ کر لیں۔ چونکہ مہابیانیہ اپنی ثقافتی, تہذیبی, مذہبی جکڑ بندی کے باعث اپنے ماننے والے کو پہلے سے ایک مرکز پر لے آتا ہے یا گویا ایک عصبیت پر متفق کر لیتا ہے جبکہ استعمار کا بنیادی ہدف نو آبادیات کی زمین اور اس کے باشندے کے درمیان تعلق کی کوئی صورت پیدا نہیں ہونے دینا ہے۔ اس خیال پر شبہ ہو تو گذشتہ چالیس برس میں اردو کے تنقیدی متون پر مبنی سرمایہ جانچ کر دیکھ لیں اس میں معاصر نظم، افسانے، غزل، ناول، خاکے، طنز و مزاح غرض کسی سطح کے تخلیقی تجربے کی بازیافت کی نسبت مغربی، امریکی فلسفیانہ پیچیدہ مضامین کے تراجم کی اوسط کہیں زیادہ ہو گی۔ اسی استعماری چال کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے پاس آج اپنے 1960ء کے بعد کے تخلیقی متون پر کوئی تنقیدی، تجزیاتی ڈسکورس نہ ہونے کے برابر ہے جبکہ مغربی تراجم کے بھرمار ہے حتیٰ کہ ان تراجم کو معاصر تخلیق پر فوقیت بھی دی جاتی رہی ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔ یہی وہ چیرہ دستی ہے جو حاکم اپنی موجودگی اور غیر موجودگی ہر دو صورتوں میں محکوم پر روا رکھتا ہے۔

مابعد جدیدیت کے تمام تر مباحث میں بنیادی سقم یہی ہے کہ یہ جس شئے کی نفی کرتے ہیں خود اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے پاس علم کی جو بنیاد جدیدیت کی قائم کردہ ہے اس کے انکار کے بنا کوئی چارا نہیں ہے اور یہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں کہ تیزی سے بدلتی انسانی زندگی اور اس کے بے ہنگم، پیچیدہ تفاعل میں دو عظیم محاربوں اور ان کے پس منظر میں لاتعداد جنگی جنون کے رد عمل میں تشکیل ہوئی جدیدیت کو ایسی ہی مزاحمت کا سامنا کرنا تھا۔ بھلے اس باب میں کلاسیکیت پرست یا رومان پرور ہی پھر سے اپنی فکری تنظیم سے جدیدیت کے فرد بنیاد فلسفے کو چیلنج کرتے کہ وقت کی گزران کے ساتھ ہجوم میں اکیلے انسان نے پھر سے دوسرے انسان کی تلاش شروع کر دی کہ یہی فطری عمل ہے کہ انسان انفرادی مسرت کے حصول کے لیے اپنے جیسے انسانوں سے مراسم استوار کرتا ہے مگر اپنی انفرادی شناخت سے دستبردار نہیں ہوتا۔

مگر بنیادی مسئلہ صنعت اور مشین کی ایجاد سے انسانی حیات کی نہاد میں بے پناہ تبدیلیوں کے سبب سے پیدا ہوا جس نے انسان کو ناسٹلجیا تو تحفہ کیا مگر ماضی کی طرف مڑنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ ترقی یافتہ مشینی انسان کا رشتہ اپنے ماضی کے ساتھ جس نوعیت پر قائم ہو سکتا تھا اس کے تمام تر امکانات کو مابعد جدید فکریات نے سبوتاژ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی کیونکہ انسانی شعور کی اجتماعی تاریخ کے مطابق سترہویں صدی سے پیچھے کی معاشرت آج کے استعمار مغرب اور اس کے اتحادیوں کے لیے قابل قبول نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فی زمانہ آدرش پرستی کو اپنے لیے سب سے مہلک ہتھیار جانا، جس میں ایک طرف مذہب اور دوسری طرف اشتراکیت ایسے عفریت اس کے سامنے موجود تھے۔ جن کی بنیاد ایک طرف ملکیت کے تصور کے رد میں جبکہ مذہب کہ صورت سرپلس ویلیو کی تقسیم پر بنیاد ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام ان دونوں نظریات کو قبول نہیں کر سکتا کہ اس نظام کی افزائش کی صورت میں دولت ہی دولت کے ارتکاز میں بنیادی مقناطیس ہے۔ جو است کو انبار کی صورت ایک جگہ جمع کر سکتی ہے جبکہ اشتراکیت، اسلام سمیت ہر مثالی آدرش دولت کو ایک جگہ جمع کرنے کی بجائے اس کی مساوی تقسیم کا خواہاں ہے۔ سو لیوتار کی مہابیانیہ کو رد کرنے اور اس کے جوہر سے اختلاف کی تمام تر صورتیں امریکی مادہ پرستی اور اس مادے پر اس کی اجارہ داری کے نظام کی توسیع سے جڑی ہوئی ہیں۔

اپنی زمین سے لاتعلقی اور اس کے معروض سے کٹے ہونے کے سبب سے اردو مترجمین اور شارحین، اس مغربی مادیت پرستی کی اندھی تقلید بازی کے عمل کا شکار رہے۔ ان کے خیال کی رو سے لیوتار ایسے اتنے بڑے فلسفی دانشور، نظریہ ساز کے ہاں ہر شئے اپنی برتر صورت میں ظاہر ہوتی ہے جبکہ دراصل لیوتار کے مختلف متون میں مذہب اور اشتراکیت سمیت ہر اس مہابیانیہ کی تکذیب ہو گی۔ جو امریکہ کے نظام سرمایہ داری کے لیے مہلک ثابت ہو سکتا ہو۔ وہ بطور قلم کار جنگی جنون کے خلاف نہیں لکھے گا، وہ سماجی نظام معیشت کی بے ترتیب صورت حال پر قلم توڑ دے گا اور نہ ہی دولت کے غیر مساوی تقسیم سے پیدا ہوتے روز کے مسائل کو استدلال کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کرے گا کہ جنگ اور منڈی پر اجارہ جدید عہد میں سرمائے کے حصول کا سب سے بڑا اور محفوظ ذریعہ ہیں۔ لیوتار کے ہاں ایک سطر بھی سرمایہ داری Capitalism کے خلاف نہیں ہے۔

لیوتار ان مغربی مفکرین میں سے ایک ہے جو امریکی سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں جس کا منتہا مقتدر معاشروں اور نو آبادیات کے درمیان حاکم اور محکوم کے رشتے کو قائم رکھنا ہے خواہ نو آبادیات نے مابعد نو آبادیات کی صورت اختیار کر لی ہو۔ دوسری طرف محکوم ممالک جیسے پاکستان / اردو ہیں جو تشریح اور ترجمے کو علم و فضل اور دانش شمار کرتے ہیں۔ یہ ایسا التباس

قائم کرتے ہیں جس سے علم اور دانش کے معنی و مفہوم میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے اور تخلیق / تنقید کے درمیان فرق ختم ہونے لگتا ہے۔

یہی حاصل ہے کہ کم از کم اردو میں گزشتہ چالیس برس اسی تشریحی، تعارفی متن کی فوقیت کا زمانہ ہیں۔ جب مقبول عام ادب کے علاوہ، ہر اہم ادبی منظر کو پیچھے رکھا گیا۔ اس کی نمایاں مثالیں شمس الرحمن فاروقی اور گوپی چند نارنگ کی صورت میں سامنے ہیں جو موجود اردو ادب کے مروج دبستانوں کے بنیاد گزار ہیں۔ یاد رہے کہ شمس الرحمن فاروقی کی فکشن نگاری کا دور ان کے مدیر / مترجم شارح مقبولیت پانے کے بعد کا زمانہ ہے۔ ان دو کے مقلدین نے ان کو اردو میں تخلیق کار اور زمین زاد نقاد دونوں پر فوقیت دے کر ادبی دنیا میں سراہا۔ اس سلسلے میں وہی قانون کہ گروہی صورت میں اس قدر تکرار کرو کہ جھوٹ سچ اور سچ جھوٹ بن جائے۔ اس عہد نے محمد حسن عسکری، احتشام حسین، وزیر آغا جیسے تخلیقی دماغ ناقدین کو بھی آگے نہیں آنے دیا (کجا کہ محمد علی صدیقی، انوار احمد، سید عامر سہیل، روش ندیم جیسے مثالیت پرست تنقید نگاروں کی جگہ بنتی) کہ جن کے متون متوازن تنقید کے ساتھ مقامی تہذیب کو نیم تخلیقی حالت سے بیان کرتے ہیں کجا کہ یہ زمانہ قراۃ العین حیدر اور عبداللہ حسین کے بعد کسی بڑے فکشن نگار کی پرورش / افزائش میں کوئی کلیدی کردار ادا کرتا۔ جون ایلیاء، انور مسعود جیسے اہم شعرا کو بھی اس زمانے میں اپنا سکہ جمانے کے لیے مشاعرے اور اداکاری کا سہارا لینا پڑا۔ جو شعرا اس فن میں طاق نہ تھے اور مشاعرے سے دور رہے، اداکاری سے شغف پیدا نہ کر سکے وہ پھر بھلے احمد مشتاق ہوں، اسلم انصاری ہوں، ممتاز اطہر ہوں یا دیگر اہم نام، ان کی جگہ مجید امجد کی طرح عمر بھر ادب کے بڑے کینوس پر اس طرح نہ بن سکی جس طرح متذکرہ بالا معززین نے بنائی یا گھیری۔ حتیٰ کہ اردو زبان کے آغاز و ارتقاء جیسا اہم معرکہ بھی فاروقی صاحب نے ایک مغربی ادارے کے سرمائے کی طاقت پر سر کیا۔ جس کے شواہد کتاب کے ابتدائی حصے سے حاصل کیے جا سکتے ہیں (اس مثال کا مقصد ادیب کی ترجیحاتی فہرست بارے سمت نمائی ہے)۔

سامراج کا یہ شکنجہ آج بھی اس قدر مضبوط ہے کہ وہی تعارفی، تشریحی، مترجمہ، متون کو ادبی لفافے / گڈی کاغذ میں لپیٹ کر اس زمین اور اس کے باشندوں کا ترجمان ادب بنا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ معاشرے میں ثقافتی تفاعل کی متفرق تہوں کا تخلیقی بیان سکرین کے مرکز میں آنے کی جرات نہ کر سکے۔ اس پر تس یہ کہ ان معاشروں میں ترقی پسندی / روشن خیالی حتیٰ کہ کمیونزم بھی سرمایہ داری کی چھتری میں پنپ رہا ہے جو محض مغالطوں کا غیر مختتم کھیل ہے۔

حوالہ جات

1_https://en.wikipedia.org/wiki/Metanarrative

2_ وہاب اشرفی، "مابعد جدیدیت مضمرات وممکنات"، (اسلام آباد: پورب اکادمی، طبع اول جنوری 2007ء)، ص47

3_ عمران شاہد بھنڈر، "فلسفہ اور سامراجی دہشت"، کراچی، 2010ء، ص133-134

4_ اقبال آفاقی، "مابعد جدیدیت"، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، جولائی 2017ء)، ص81

5_ https://www.newworldencyclopedia.org/entry/Metanarrative

6_https://iep.utm.edu/lyotard/#:~:text=Lyotard%20famously%20defines%20the%20postmodern, legitimise%20knowledges%20and%20cultural%20practises.

7_ وہاب اشرفی، مابعد جدیدیت مضمرات وممکنات، ص50